جہاتِ میر تقی میر

ڈاکٹر شائستہ حمید خان

Dr. Shaista Hameed Khan

Assistant Professor, Department of Urdu,

G.C.University, Lahore.

Abstract:

Meer Taqi Meer, who is the "God of Poetry" has a Particular place in Urdu poetry. He portrays the colours of life in the form of poetry similarly he lived. His own Sorrows do not remain just his own even he makes the sorrow universal. All kind of emotions, feelings, observations and experiences on which he throwd light in his poetry seems like everyone's personal experiences in spite of just his (Meer) own experiences. It's the reason that he stands on the height of success in the literature and the poets and critics of every Era appriciate his efforts, work, and accept his place as a God of poetry. Owing to different dimentions of his poetry, No doubt Meer is such an unmatchable poet in the history of Urdu literature.

میر تقی میر کا اصل نام محمد تقی اور تخلص ''میر'' تھا۔ اُن کی پیدائش ۱۷۲۲ء کو آگرہ میں ہوئی۔ بچپن وہیں گزرا، پھر دلی چلے آئے اور دلی ہی کو مستقل وطن بنالیا۔ آخر عمر میں لکھنؤ چلے گئے، وہیں ۱۸۱۰ء کو وفات پائی۔ میر تقی میر نے جب آنکھ کھولی تو مغلوں کی سلطنت زوال پذیر ہو چکی تھی۔ دارلحکومت دلی مکمل طور پر برباد ہو چکا تھا۔ بدامنی، نفسا نفسی اور لاقانونیت حد سے بڑھ چکی تھی۔ معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی نظام درہم برہم اور اخلاقی اقدار زوال پذیر ہو چکی تھیں۔ امرائے وقت سیاست سے بے زار، حکومتی نظام میں بدنظمی، افواج کی آرام طلبی، دربار کی اندرونی سازشوں اور بیرونی حملہ آوروں کے حملوں نے دلی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ ان تمام حالات نے زندگی کے ہر شعبے اور فرد کو متاثر کیا۔ پورا معاشرہ اخلاقی گراوٹ کا شکار تھا۔ ان تمام حالات و واقعات نے میر تقی میر کی ذاتی زندگی اور اُن کے فن پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

میر تقی میر نے دلی میں قیام کے دوران میں آسودگی، خوش حالی، امن اور فراغت کا زمانہ بہت کم دیکھا۔ وہ تخلیقی مزاج اور شاعر ہونے کے باعث انتہائی حساس طبیعت کے مالک تھے۔ اُنھوں نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا، اُسے مِن وعَن اپنی شاعری میں بڑی غیر جانب داری کے ساتھ بیان کر دیا اور یوں اُن کی شاعری اُن کے عہد کی تاریخ بن کر آج بھی محفوظ ہے۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ ''نقدِ میر'' میں لکھتے ہیں: ''اگر میر کے زمانے کی تاریخ نہ بھی لکھی جاتی تو میر کی شاعری کو پڑھ کر ایک گہری نظر رکھنے والا اُس زمانے کی تاریخ مرتب کرسکتا تھا۔''(۱)

میر تقی میر کی ذاتی زندگی نے بھی اُن کی شاعری پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ بچپن ہی سے اُنھوں نے تنگ دستی اور مصائب کو برداشت کیا۔ اُن کے والد کی وفات اور اُن کے عشق کے دُکھ کو جابجا اُن کی شاعری میں دیکھا جاسکتا ہے۔ خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> ''یہ بات مسلم ہے کہ میر کی شاعری، اُن کی شخصیت اور زندگی کی ترجمان ہے۔ اس میں وہ احساسات بھی ہیں جو اُن کے ذاتی حوادث و مصائب کا نتیجہ اور وہ بھی جو اجتماعی حوادث کے تابع ہیں۔ اس لیے عموماً کہا جاتا ہے کہ اُن کے کلام میں آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔''(۲)

میر تقی میر زندگی کے بھرپور تجربے کا شاعر تھا۔ ایک ایسا شاعر جس نے اپنے عہد کے کرب ناک مناظر دیکھے۔ اُس نے تاریخ کو نہایت تیزی سے ٹوٹتے پھوٹتے اور بکھرتے دیکھا۔ اس عذاب کا نہ صرف وہ شاہد ہے بلکہ اُس نے اس کو سہا بھی۔ وہ تہذیبی زوال کا مؤرخ بھی ہے اور نوحہ خواں بھی۔ اس کا کمال یہ ہے اس نے اپنے اندر کے تخلیقی انسان کو اس دور میں بھی مرنے نہیں دیا، جب تاریخ نزع کے عالم میں سِسک رہی تھی۔ میر کا کمالِ فن یہ ہے کہ تاریخ کے بے رحم عمل میں اُس نے سو سو طرح سے عمر کو کاٹا اور درد و غم جمع کیے۔ مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ کریں:

مجھ کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا(۳)

میر تقی میر کی تمام شاعری انھی دکھوں اور غموں سے بھری پڑی ہے اور یہی غم و الم اُن کی شاعری کا سرمایہ ہیں۔ اُن کی شاعری ''دل'' اور ''دلی'' کی شاعری ہے۔ دل اور دلی اُن کی شاعری میں ایک نظر آتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی زندگی کے ذاتی غم کو اپنی شاعری میں آفاقی غم بنا کر پیش کیا۔ میر کی چند شعری جہات کا مختصر تذکرہ ملاحظہ ہو۔

عشق آفاقی جذبہ ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی دھرتی عشق کے آفاقی جذبہ سے مالا مال ہے۔ عربی، فارسی اور اُردو کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کی تمام زبانوں میں تصوف اور عشق پر بے حد لکھا گیا۔ اُردو شاعری میں تصوف اور عشق کے حوالے سے میر درد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جب کہ میر تقی میر نے بھی اس موضوع پر خاصہ لکھا۔ میر تقی کے ذہن میں عشق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ عشق کا جذبہ اُن کے دل میں حقیقی طور پر سرائیت کر گیا تھا۔ اُن کے ہاں عشق آداب سکھاتا ہے اور محبوب کی عزت و تکریم کا درس دیتا ہے۔ عشق نے خود میر کو ہر بار غم اور درد دیے مگر باوجود اس کے وہ عشق پر ڈٹے رہے۔ میر کے خیال میں زندگی کی رونق اور چہل پہل عشق ہی کی بدولت ہے۔ اُن کے ہاں عشق ہی زندگی کا اصل مقصد ہے جو ساری کائنات پر حاوی ہے۔ عشق ہی روحِ کائنات ہے:

عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو
سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق(۴)

میر تقی میر کے تصورِ عشق کی وضاحت کرتے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دور بیٹھا ہوں غبارِ میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا(۵)

ہم طورِ عشق سے واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے دل کو کوئی ملا کرے ہے(۶)

ظفر انصاری ظفر اپنی تصنیف ''تصور اور میر کی شاعری'' میں میر کے تصورِ عشق کی وضاحت کرتے لکھتے ہیں:

''میر کی غزلوں میں عشق کا آفاقی اور ہمہ گیر تصور موجود ہے جس میں روح اور مادے دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے۔اُن کے تصورِ عشق میں دونوں لازم وملزوم ہیں......اُن کا عشق نہ محض ماورائی اور افلاطونی عشق ہے اور نہ ہی اُس کا تعلق صرف اور صرف ارضی و جسمانی عشق سے ہے بلکہ اُس کا دائرہ کار حیات وکائنات کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ مسائل تک ہے۔''(۷)

جہاتِ میر میں میر کا تصورِ غم تخلیقی اور فکری ہے۔ یہ قنوطیت پیدا نہیں کرتا بلکہ اس کے ہوتے ہوئے میر کی شاعری میں توازن اور ٹھہراؤ پیدا ہوتا نظر آتا ہے۔ میر نے غم کا تجربہ بچپن سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک برداشت کیا۔ یہاں غم سے مراد اُن کا ذاتی غم اور اس کے عہد کا غم دونوں ہیں۔ اصل میں اُن کی ذات اور عہد دونوں غم زدہ تھے۔ میر کا غم پڑھنے کے بعد ہمیں شکستگی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ہمارے جذبات ونظریات میں برداشت اور سنجیدگی پیدا ہوتی ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری اُن کے غم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میر کے کلام کو محض حزن ویاس یا 'آہ' تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے۔ میر کی شاعری کو گہری نظر سے دیکھیں تو اس میں صرف ایک مضمحل اور افسردہ شخص ہی نظر نہیں آتا بلکہ برداشت، توانائی اور بلند حوصلگی کی ایک حامل شخصیت بھی نظر آتی ہے۔''(۸)

میر کے تصورِ غم نے درد کو سرور اور رنج والم کو ایک نشاطیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ غم پڑھنے والے کی ذات میں ضبط اور سنجیدگی پیدا کرتا ہے جس کو صحیح معنوں میں تحمل کہا جا سکتا ہے۔ کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

ہمیشہ آنکھ ہے نم ناک ہاتھ دل پر ہے
خدا کسی کو مجھ سا درد مند نہ کرے

میر تقی میر اپنے دور کا واحد شاعر ہے جس نے عصری حساسیت کا ادراک وسیع پیمانے پر پیش کیا ہے۔ اُس نے اپنے عہد کے تمام حالات کا گہری نظر سے مشاہدہ کیا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ صرف اپنے زمانے تک ہی محدود ہو کر رہ گیا۔ اُس کے اِس تجربے نے اُسے زمانی حد سے آزاد کر دیا ہے۔ میر اپنے عہد میں زندہ ہونے کے ساتھ اپنے بعد بھی زندہ رہا۔ وہ آج ہمارے عہد میں بھی زندہ ہے اور آئندہ بھی اسی طرح زندہ رہے گا۔ اُس کا عصری شعور ماضی، حال اور مستقبل پر پھیلا ہوا ہے:

جن بلاؤں کو میر سنتے تھے
اُن کو اس روزگار میں دیکھا(۹)

دل کی ویرانی کا کیا مذکور
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا(۱۰)

میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار(۱۱)

میر تقی میر نے اپنی شاعری میں انسانی عظمت اور اعلیٰ انسانی اقدار کو بڑی کثرت سے بیان کیا ہے۔ اُن کی نظر میں دنیا ’’آنی جانی‘‘ ہے۔ یہاں قیام مختصر ہے۔ اسی لیے انسان کا احترام اُن کی شاعری میں نظر آتا ہے:

آدمی سے ملک کو کیا نسبت
شان ارفع ہے میر اِنساں کی(۱۲)

آدمِ خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ
آئینہ تھا مگر قابلِ دیدار نہ تھا(۱۳)

میر تقی میر کے بڑے شاعر ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے اپنی شاعری میں سادگی اور صداقت کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ اُنھوں نے زندگی کو جس طرح دیکھا اور پرکھا، اُسی طرح اپنی شاعری میں بیان کر دیا۔ میر جس ماحول میں پلے بڑھے اور سانس لے رہے تھے اُس میں درد و غم کے چشمے اُبل رہے تھے۔ میر نے سادہ انداز میں ان مضامین کو پوری صداقت کے ساتھ پیش کیا:

قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دِل
سارے عالم کو مَیں دِکھا لایا(۱۴)

دِل مجھے اُس گلی میں لے جا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا(۱۵)

میؔر کے ہاں تصورِ محبوب بڑا جان دار ہے۔ اُنھوں نے اپنے محبوب سے عشق نہیں بلکہ بھرپور عشق کیا ہے۔ اُن کے لیے اُن کا محبوب سب سے زیادہ خوب صورت، نازک، حسین اور شفاف تھا:

کھِلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے(۱۶)

میؔر کی عظمت کا اعتراف ہر زمانے اور ہر دور میں ہوتا ہے۔ اُن کو ’’خدائے سخن‘‘ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ ہر عہد میں ’’شہنشاہِ غزل‘‘ کہلائے ہیں۔ اپنی عظمت کا احساس میؔر کو خود بھی تھا۔ کہتے ہیں:

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدّت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں(۱۷)

میر تقی میر کے بعد تمام شعرا نے اُن کی پیروی ہی کو عظمت سمجھا۔ غالبؔ میر کی عظمت کا اعتراف کرتے لکھتے ہیں:

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخؔ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں(۱۸)

ریختہ کے تمھی اُستاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا(۱۹)

محمد ابراہیم ذوقؔ، میرؔ کی عظمت کا اعتراف کچھ یوں کرتے ہیں:

نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا(۲۰)

حاصلِ بحث یہ کہ میر تقی میر کی عظمت اُن کی شعری جہات کی بدولت ہے۔ اُن کی شاعری حسن و عشق اور محبت کی شاعری ہی نہیں بلکہ انسان کے مقدّر کی شاعری ہے، جس کی اہمیت آفاقی ہے۔ اُن کی شاعری ہر خاص و عام کی شاعری ہے۔ اُنھوں نے اُردو شاعری کو ایک معیار دیا اور فنی شعور سے اس میں رنگ بھرے۔ اُن کے بعد آنے والوں نے اُن سے فیض حاصل کیا ہے۔ اُن کی شعری جہات و خصوصیات نے اُنھیں اُردو غزل گوئی میں ''شہنشاہ'' کا مقام عطا کیا ہے۔ اُنھوں نے اُردو غزل کو وہ اُسلوب دیا جس سے اُن کی عظمت کا اعتراف تا قیامت جاری رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، نقد میر، دہلی: جہاں گیر بُک ڈپو، س ن، ص:۱۷۱

۲۔ محمد زکریا، خواجہ، مختصر تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند (آغاز تا بیسویں صدی)، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۲۰ء، ص:۱۴۳

۳۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد سوم، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۲ء، ص:۲۹

۴۔ میر تقی میر، کلیات میر، دیوان دوم، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۱ء، ص:۱۶۴

۵۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد اول، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۶ء، ص:۱۵۹

۶۔ میر تقی میر، کلیات میر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۱ء، ص:۳۷۶

۷۔ ظفر انصاری ظفر، تصورِ عشق اور میر کی شاعری، دہلی: ایجوکیشنل ہاؤس، ۲۰۱۲ء، ص:۱۴۱۔۱۴۲

۸۔ تبسّم کاشمیری، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تاریخ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۳۲۹

۹۔ میر تقی میر، کلیات میر، جلد اول، ص:۱۳۲

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۳۸

۱۱۔ ایضاً، ص:۲۴۲

۱۲۔ میر تقی میر، کلیات میر، دیوان دوم، ص:۲۷۸

۱۳۔ میر تقی میر،کلیات میر،جلد اول،ص:۱۸۰

۱۴۔ ایضاً،ص:۱۶۲

۱۵۔ ایضاً،ص:۱۶۳

۱۶۔ ایضاً،ص:۵۶۳

۱۷۔ میر تقی میر،کلیات میر، دیوان دوم،ص:۳۰۶

۱۸۔ غالب،اسداللہ خان،مرزا، دیوانِ غالب اور انتخاب،اسلام آباد: پرنٹ ماسٹر،۲۰۱۲ء،ص:۱۶۰

۱۹۔ ایضاً،ص:۴۷

۲۰۔ ذوق،محمد ابراہیم، دہلوی،کلیات ذوق، لاہور: مجلس ترقی ادب،۲۰۰۹ء،ص:۱۳۸

☆......☆......☆